مذہبی رواداری، قرآنِ حکیم کی روشنی میں

قسط (۱)

پروفیسر ڈاکٹر محمد حسنین نقوی
بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

قرآن کریم، کتاب فطرت اور مثالی ضابطہ حیات اس لیے بھی ہے کہ یہ اپنے اندر تمام سابقہ آسمانی کتب کی خوبیوں اور برکتوں کو سموئے ہوئے ہے. تمام جہانوں کا پالن ہار، یہ کتابِ حکمت اپنی اشرف مخلوق بنی نوع انسان کی طرف اس دائمی خوش خبری کے ساتھ نازل فرماتا ہے

:(وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤمِنِيْنَ (الاسراء ۱۷ : ۸۲)

"اور ہم تو قرآن میں وہی چیز نازل کرتے ہیں جو مؤمنین کیلئے (سراسر) شفااور رحمت ہے".

ظاہر ہے کتاب فطرت اور مثالی ضابطہ حیات کی منزل پر وہی کتاب فائز ہو سکتی ہے جو ایسا معاشرتی نظام عطا فرمائے جو تمام انسانیت کیلئے امن، آشتی، محبت اور خوشحالی کا ضامن ہو. جبکہ یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ امن و خوشحالی کی نعمتوں سے صرف ایسے معاشرے متمتع ہو سکتے ہیں جہاں کوئی طاقتور کسی کا حق مار سکے نہ کسی کمزور کا کوئی استحصال کر سکے اور ایسی صورت حال صرف ایسی اقوام میں جلوہ گر ہوتی ہے جہاں عدل اجتماعی (Social Jus-tice) نافذ العمل دکھائی دیتا ہو. بالخصوص اس حوالہ سے معلم قرآن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات والا صفات کا ایک نمایاں وصف قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

.(وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (الشوریٰ ۴۲ : ۱۵)

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف سے فیصلہ کروں"

. نہ صرف سید الرسل ﷺ کی ذات بلکہ ابتدائے آفرینش سے اب تک تشریف لانے والے تمام انبیائے کرامؑ کا اساسی وظیفہ قرآن کریم کے نزدیک عدل اجتماعی کا نفاذ ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

(لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ(:الحدید : ۵۷ : ۲۵)

"یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن معجزات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ بنی

نوع انسان عدل وانصاف پر قائم ہو"

ان تمام خوشخبریوں کے جلو میں یہ کتاب حکمت انسانوں کو جس نعمت غیر مترقبہ کی طرف دعوت دیتی ہے اس کا نام اسلام ہے۔"اسلام" کے معنی علمائے لغت نے یہ بیان کئے ہیں

:الأسلامُ الا نقیادُ، والاسلامُ من الشریعة إظھارُ الخضُوع والشریعةُ التِزامُ ما أتی به النبیؐ وبذٰلك یحقن الدم ویُستدفع المکروه..روی عن النبیؐ انه قالَ اَلْمُسْلِمُ مَن سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَیَدِهٖ(۱)

"اسلام، اطاعت و تعلیم سے عبارت ہے، اصطلاح شرع میں اس سے مراد عاجزی کا اظہار اور فرمودات نبوی ﷺ پر عمل کرنا ہے (معاشرے سے) ناپسندیدہ امور کا استیصال اور انسانی خون (جان) کا تحفظ اسلام ہی کا ثمر ہے. (اس کی دلیل) آنحضور ﷺ کا یہ فرمان وحی ترجمان ہے :."مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں".

لسان العرب ہی میں مذکور ہے :.

(اُدخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً:عَنیٰ به الاسِلام والسِلْم الاسلام)(۲)

سب کے سب "السلم "یعنی صلح میں داخل ہو جاؤ اس آیت میں لفظ "السلم"" سے مراد اسلام ہے".

لغت میں بھی "سلم "اور "اسلام" مترادف ہیں. بالفاظ دیگر صلح اور اسلام ایک ہی مفہوم کے دو صفاتی نام ہیں.

عقلی تاریخی اور واقعاتی طور پر مذکورہ دعووں (جو درحقیقت مُسلّمہ حقائق ہیں) کی حقانیت اسی صورت میں ثابت کی جا سکتی ہے کہ دیگر انبیاء اور آسمانی ادیان اور الہامی کتابوں کی نسبت ہمارے نبی ﷺ اور دین اسلام اور قرآن حکیم نے مذہبی رواداری (جو یقیناً فکری، ثقافتی، سیاسی ہر قسم کی رواداری پر محیط ہے) کے بارے میں نہ صرف سب سے زیادہ تاکید کی بلکہ خود معلم قرآن ﷺ انکے اهلبیتؑ اور صحابہؓ کرام نے اس پر مثالی طور پر عمل کر کے بھی دکھایا ہو. اس تناظر میں خصوصی طور پر حسب ذیل آیات قرآنیہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح ابھر کر سامنے آتی ہے کہ مبلغین اور داعیان حق کا بہر حال مذہبی رواداری پر کاربند رہنا تبلیغ اسلام کے حوالہ سے شرط اولین ہے :.

(۱) (اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ: (النحل : ۱۶ : ۱۲۵)

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان کے ساتھ اس طریقہ سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے. بیشک تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون صحیح راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ان کو خوب جانتا ہے جو ہدایت پانے والے ہیں."

امام ابن جریر تحریر فرماتے ہیں
جادلھم بالتی ھی احسن :

(کا مفہوم یہ ہے کہ اے پیغمبرؐ) (مشرکین اور کفار) کے ساتھ ایسے پسندیدہ ترین طریقہ سے بحث و مباحثہ کرو کہ خواہ وہ اس دوران میں آپ ﷺ کو سخت سخت اذیتیں کیوں نہ پہنچائیں مگر آپ ﷺ انہیں اپنے دامن عفو میں ڈھانپتے جاؤ۔"

امام فخر الدین رازی اس کی تفسیر ان الفاظ سے فرماتے ہیں۔

(ادع الکاملین الی الدین الحق بالحکمة وھی البراھین القطعیّةالیقینیة وعوام الخلق بالموعظة الحسنة وھی الدلائل الیقینیّه الاقناعیه والتکلم مع المساغبین بالجدل علی الطریق الا حسن الا کمل) (٤)

"اے پیغمبر ﷺ کاملین کو قطعی براہین اور عوام کو یقینی دلائل کے ذریعہ دین حق (اسلام) کی طرف دعوت دو جبکہ کج بحثوں سے مباحثہ میں احسن واکمل طریق تکلم اپناؤ"

شیخ الطائف ابو جعفر طوسی اور علامہ طبری اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں

(اصل الحکمة المنع وقیل لھا حکمة لا نھا بمنزلة المانع من الفساد، والحکمة ھی المعرفة بمراتب الا فعال فی الحسن والقبح لان بمعرفة ذلك یقع المنع من الفساد ... (والموعظة الحسنة) معناه الوعظ الحسن وھوالصرف عن القبیح علی وجه الترغیب فی ترکه والترھید فی فعله وفی ذلك تلبین القلوب بما یوجب الخشوع ...(جادلھم بالّتي ھی احسن) اقتل المشرکین واصرفھم عما ھم علیه من الشرك بالرفق والسکینة ولین الجانب فی النصیحة لیکونوا اقرب الی الاجابة) (٥)

"لغت میں حکمت کے معنی روکنا ہے اسے حکمت اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ برائی سے روکتی ہے نیز حسن وقبح کے اعتبار سے مراتب اعمال کی معرفت بھی حکمت کہلاتی ہے کیونکہ ایسی معرفت ہی برائی سے روکتی ہے۔ الموعظة الحسنة :۔ کے معنی خوبصورت نصیحت کے ہیں، وہ اس طرح کہ برائی چھوڑنے کی رغبت اور اس کے ارتکاب سے نفرت دلانے کے ذریعہ دلوں میں اتنی رقت پیدا کردی جائے کہ از خود بارگاہ خدا میں جھک جائیں۔ "جَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" اے رسول ﷺ تلوار کی بجائے اپنی (بے مثال) نرمی اور محبت اور دردمندانہ نصیحت سے مشرکین کو ایسا گھائل کرو کہ وہ شرک سے منہ موڑ کر (از خود) تیری دعوت قبول کرنے کیلئے پوری طرح آمادہ نظر آئیں"۔

دعوت و تبلیغ کے اصول : اس عنوان سے مولانا مفتی شفیع مرحوم نے سولہ صفحات پر مشتمل اس آیت کی تفسیر رقم فرمائی ہے، جس کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔ "اس آیت میں دعوت و تبلیغ کا مکمل نصاب اور اس کے اصول کی تفصیل چند کلمات میں سموئی ہوئی ہے۔

(الی سبیل ربك) میں ارشاد ہے کہ دعوت کا کام صفت تربیت سے تعلق رکھتا ہے۔ جس طرح اللہ نے آپ ﷺ کی تربیت فرمائی آپ ﷺ کو بھی تربیت کے انداز سے دعوت دینا چاہئے، جس میں مخاطب پر بار نہ ہو اور تاثیر زیادہ سے زیادہ ہو۔

(بالحکمة) روح المعانی نے بحوالہ بحر محیط، حکمت کی تفسیر یہ کی ہے "حکمت اس درست کلام کا نام ہے جو انسان کے دل میں اتر جائے" صاحب روح البیان نے فرمایا ہے کہ "حکمت سے مراد بصیرت ہے جس کے ذریعہ انسان نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار کرے۔ جہاں صراحۃ کہنے میں مخاطب کو شرمندگی ہو وہاں اشارات سے کلام کرے۔"

(الموعظة) : یہ وعظ کے لغوی معنی کسی کی خیر خواہی کی بات کو ایسے کہا جائے کہ مخاطب کا دل قبول کیلئے نرم ہو جائے۔

(الحسنة) : مخاطب یہ محسوس کرے کہ آپ کی اس میں کوئی غرض نہیں، صرف اس کی خیر خواہی کیلئے کہہ رہے ہیں۔

(جادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ اَحسَن) : اگر دعوت میں کہیں مناظرہ کی ضرورت پیش آجائے تو وہ بھی اچھے طریقہ سے ہونا چاہیے۔ روح المعانی میں ہے کہ گفتگو میں لطف و نرمی اختیار کی جائے۔ اھل کتاب کے بارے میں تو خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہے :

(وَلا تُجادِلُو اَهلَ الكِتابِ اِلاَّ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنْ: عنکبوت : ۲۹ : ۴۶)

"اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر اس طریقہ سے جو بہتر ہے"

اور دوسری آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ھارونؑ کو

(فَقُولاَ لَه' قَولاً لَيِّنًا: (طٰہٰ : ۲۰ : ۴۴)

"پھر اس سے (جاکر) نرمی سے باتیں کرو"

کی ھدایت دے کر یہ بھی بتلادیا کہ فرعون جیسے سرکش کافر کے ساتھ بھی یہی نرمی کا معاملہ کرنا۔"

"**دعوت کے پیغمبرانہ آداب** : دعوت الی اللہ دراصل انبیاءؑ کا منصب ہے۔ علماء اس منصب کو ان کا نائب

ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں تو لازم ہے کہ اس کے آداب بھی انہی سے سیکھیں. جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہے وہ دعوت کی بجائے عداوت اور جنگ کا موجب بن جاتی ہے. دعوت پیغمبرانہ کے اصول میں جو ہدایت قرآن کریم میں حضرت موسیٰ وھارون کیلئے نقل کی گئی ہے :

(فَقُوْلاَ لَهٗ قَوْلاً لَّيِّناً لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى) (طٰہٰ ۲۰ : ۴۴)

"فرعون سے نرم بات کرو شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے"

جب بھی خدا اپنے داعی کو بھیجتے ہیں تو نرم گفتار کی ھدایت کے ساتھ بھیجتے ہیں. آج ہم جن لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں اور ہم میں سے کوئی موسیٰ وھارون کے برابر ھادی و داعی نہیں، تو جو حق، خدا نے اپنے پیغمبروں کو نہیں دیا کہ مخاطب سے سخت کلامی کریں، فقرے کسیں، اس کی توہین کریں، وہ حق ہمیں کہاں سے حاصل ہو گیا؟"

"امام غزالی" نے فرمایا کہ جس طرح شراب اُمُّ الخبائث ہے کہ خود بھی گناہ ہے اور دوسرے بڑے گناہوں کا ذریعہ بھی، اسی طرح بحث و مباحثہ میں جب مخاطب پر غلبہ پانا اور اپنا علمی تفوق ظاہر کرنا ہو تو وہ بھی باطن کیلئے اُمُّ الخبائث ہے، جس کے نتیجہ میں بہت سے روحانی جرائم پیدا ہوتے ہیں مثلاً حسد، بغض، تکبر، غیبت، دوسرے کے قول پر انصاف سے غور کرنے کی بجائے جواب دہی کی فکر، خواہ اس میں قرآن و سنت میں کیسی ہی تلاوت کرنا پڑیں. یہ تو وہ ملکات ہیں جن میں باوقار علماء ہی مبتلا ہوتے ہیں اور معاملہ جب ان کے متبعین میں پہنچتا ہے تو دست و گریباں اور جنگ و جدال کے معرکے گرم ہو جاتے ہیں."

"حدیث صحیح میں ہے :

. (لاَ تَتَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوا بِهِ الْعُلَمَاءَ وَلِتُمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءَ وَلِتَصْرِفُوا بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيكُم فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَهُوَ فِي النَّارِ: ابن ماجه من حديث جابر باسناد صحيح كذافي تخعيج العراقي على الاحياء)

"علم دین کو اس غرض سے نہ سیکھو کہ اس کے ذریعہ دوسرے علماء کے مقابلہ میں فخر کرو یا کم علم لوگوں سے جھگڑے کرو یا اس کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرو اور جو ایسا کرے گا وہ آگ میں ہے"

"یہاں تک دعوت کے اصول کا بیان ہوا پھر فرمایا

(اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ: (النحل : ۱۶ : ۱۲۵)

بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اسکی راہ سے بھٹکا ہوا ہے. اور وہ ان کو بھی جانتا ہے جو ہدایت پانے والے ہیں"

یہ جملہ داعیان کی تسلی کیلئے ارشاد فرمایا. کیونکہ مذکورہ آداب استعمال کرنے کے باوجود جب مخاطب حق بات قبول نہ کرے تو طبعی طور پر انسان کو سخت صدمہ ہوتا ہے. اسلئے فرمایا کہ آپ ﷺ کا کام صرف دعوت حق کو اصولِ صحیحہ کے مطابق ادا کر دینا ہے. آگے اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا اس میں نہ آپ ﷺ کا کوئی دخل ہے نہ آپ ﷺ کی ذمہ داری، وہ صرف اللہ ہی کا کام ہے، آپ ﷺ اس فکر میں نہ پڑیں." (۶) یہاں مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی عبارت اختتام پذیر ہوئی.

(۲) مذہبی رواداری کے حوالہ سے قرآن حکیم ایک اور جگہ تمام مبلغین کیلئے ایک قاعدہ کلیہ کا اعلان ان الفاظ میں فرماتا ہے :.

(لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ :البقرة :۲ :۲۵۶)

"دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے، بے شک ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے".

علمائے تفسیر نے اس آیت کے کئی شان نزول بیان فرمائے ہیں امام طبری علامہ ابن کثیر، علامہ سیوطیؒ، علامہ قرطبیؒ اور علامہ طبرسیؒ نے اس کا ایک شان نزول یہ حدیث قرار دی ہے :

(عن ابن عباس قال كانت المراة تكون مقلاتا فتجعل على نفسها ان عاش لها ولد ان تهوده فلما اجليت بنو النضير كان فيهم من ابناء الا نصار فقالوا لا ندع ابناء نا فانزل الله (لا اكراه فى الدين...) وعن عامر قال فكان فصل ما بينهم اجلا رسول الله (ﷺ) بنى النضير الى خيبر فمن اختار الاسلام اقام ومن كره لحق بخيبر)(۷)

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ایک عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوتے ہی مر جاتا تھا. اس نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی کہ اگر اس کا بیٹا زندہ بچ گیا تو وہ اسے یہودی بنائے گی. جب یہود بنو نضیر کو مدینہ منورہ سے نکالا گیا تو ان کے ساتھ جانے کیلئے (اس عورت کے بیٹے سمیت) چند دیگر انصاری لڑکے بالے بھی تیار ہو گئے. انصار (ان کے والدین) نے کہا، ہم اپنے بچوں کو یہودیوں کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دے سکتے،

چنانچہ اس موقع پر یہ آیت

(لا اكراهَ فِى الدِّيْنِ) نازل ہوئی

کہ "دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں"

نیز حضرت عامر راوی ہے کہ بنو نضیر کی خیبر کیلئے جلاوطنی سے متعلق یہ واقعہ حد فاصل قرار پایا کہ اس وقت جنھوں نے اسلام اختیار کیا وہ مدینہ ٹھہر گئے اور جنھوں نے اسلام کو پسند نہ کیا وہ خیبر چلے گئے یہ نکتہ قابل توجہ ہے

امام طبری کے علاوہ مذکورہ دیگر علماء نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ ظہور اسلام سے قبل یہودیت کو بہتر دین سمجھا جاتا تھا، اسلئے اس خاتون نے اپنے بیٹے کی درازی عمر کی خاطر یہ نذر مانی تھی۔

اور آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی نے اس آیت کے شان نزول میں درج ذیل حدیث بھی نقل فرمائی ہے

(عن السدی...قال نزلت فی رجل الا نصار یقال له ابو الحصین (الحصین :عن ابن عباس) کان له ابنان فقدم تجار من الشام الی المدینه یحملون الذیت (أو الذبیب) ابنأبی الحصین فد عو هماالی النصرانیة یحملون الزیت (اولزبیب) فلما باعوا وارادو ان یرجعُو أتا هُم ابنا ابی تنصر او خر جا فاطلبهما؟ فقال: (لااِ کراه فی الدین) ولم یؤ مر یو مئذ بقتال اهل الکتاب وقال: (فلا وربك لایؤ منون حتی یُحکّموك فیما شجر بینهم ثم لایجدوا فی انفسهم حر جا مِمّا قضیت ویسلموا تَسلِیما) (۸

(امام طبری اور علامہ سیوطی نے مذکورہ حدیث حضرت ابن عباسؓ اور السدی دونوں سے روایت کی ہے)" ان ہر دو حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت ابو حصین یا حصینؓ) نامی ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جس کے دو بیٹے تھے۔ شام سے چند عیسائی تیل (یا کشمش) بیچنے مدینہ منورہ آئے بوقت واپسی ابوالحصین کے بیٹے ان سے ملے تاجروں نے انہیں عیسائیت کی دعوت دی، جس کے نتیجہ میں دونوں عیسائی ہو گئے۔ اور دونوں کو اپنے ساتھ شام لے گئے۔ ان کا والد آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے دونوں بیٹے عیسائی ہو کر شام چلے گئے ہیں۔ کیا میں انہیں (جبراً) واپس بلوا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا (لااِکراہ فی الدِّین)" کہ دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ "تب تک اہل کتاب سے لڑائی کی اجازت نہ تھی۔ آنحضور ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا: "اچھا ہوا کہ خدا نے ان دونوں کو ہم (مسلمانوں) سے الگ کر دیا کہ اسلام کے بعد کفر اختیار کرنے والے وہ پہلے دو فرد تھے۔" ابوالحصین کو اس پر صدمہ ہوا کہ آنحضور ﷺ نے اس کے بیٹوں کی واپسی کے لئے کسی کو ان کے پیچھے روانہ نہیں فرمایا۔ تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "پس تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہیں جب تک اپنے نزاعات میں تم ہی کو حاکم (مُنصِف) نہ مانیں اور جو کچھ تم (اے رسول) فیصلہ کر دو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس کئے بغیر اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کر دیں۔

النساء : ۴ : ۶۵"

امام طبریؒ اور علامہ سیوطیؒ نے اس آیت کے شان نزول میں بعض ایسی روایات بھی نقل فرمائی ہیں جن کی بنا پر یہ آیت اس گروہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو یہود بنی قریظہ کے رضائی بیٹے تھے یا پھر یہ آیت قبیلہ اوس کے ان افراد کے بارے میں نازل ہوئی جنہیں یہود بنو نضیر نے بچپن میں دودھ پلایا تھا، نتیجۃً انہوں نے یہودی مذہب اختیار

کرلیا تھا. ظہور اسلام کے بعد جب یہود کو مدینہ منورہ سے نکال باہر کیا گیا اور انصار اور قبیلہ اوس کے یہ لوگ یہودیوں کے ساتھ جانے لگے مگر ان کے رشتہ داروں (والدین) نے انہیں جبراً روکنا چاہا تو یہ آیت "دین میں کسی قسم کا جبر نہیں ہے" نازل ہوئی۔

علامہ سیوطیؒ، علامہ قرطبیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمرؓ سے متعلق حسب ذیل ایک خوبصورت واقعہ نقل فرمایا ہے :. حضرت عمرؓ نے ایک عیسائی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی تو اس کے جواب میں بڑھیا نے کہا "میں ایک قریب المرگ بڑھیا ہوں، آخری وقت میں اپنا مذہب کیوں چھوڑوں ؟" حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اس کو ایمان پر مجبور نہیں کیا، بلکہ یہی آیت (لااکراہ فی الدین) تلاوت فرمائی." (۱۰) اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ اور علامہ سیوطیؒ اور مولانا محمد صلاح الدینؒ نے حضرت عمرؓ ہی کے بارے میں ایک اور نہایت خوبصورت واقعہ نقل فرمایا ہے، جو حسب ذیل ہے :. رواداری کی بہترین مثال حضرت عمرؓ کا غلام وسق رومی ("اسبق "ابن کثیر اور اسوہ صحابہ میں "استسق" لکھا ہے.) کا واقعہ ہے. وسق رومی خود کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کا غلام تھا، وہ مجھ سے کہا کرتے تھے "مسلمان ہو جا اگر تو اسلام قبول کرلے گا تو میں تجھے مسلمانوں کی امانت کا کوئی کام سونپ دوں گا "مگر میں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس پر وہ کہا کرتے۔ (لَآاِکْرَاہَ فِی الدِّیْن) پھر جب ان کی وفات کا وقت آن پہنچا تو انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور کہا "تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ." (۱۱) مولانا صلاح الدین مرحوم نے بھی بحوالہ (اسلامی ریاست : علامہ امین احسن اصلاحی : ۲۹،۳۱) نے خود صحابہ کرامؓ کی جانب سے رواداری کی اعلیٰ روایت قائم کرنے کے ذیل میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے :. حضرت سعد بن عبادہ انصاری نے نہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور نہ حضرت عمرؓ کے. وہ نہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے نہ ان کی امامت میں جمعہ ادا کرتے تھے اور نہ حج کرتے. ابن قتیبہ نے ان کے متعلق لکھا ہے. "ان کو کچھ مددگار مل جاتے تو وہ ارباب اقتدار پر حملہ بول دیتے اور اگر کچھ لوگ ان سے جنگ کے لئے بیعت کر لیتے تو وہ ان لوگوں سے جنگ بھی چھیڑ دیتے. وہ اپنے اس رویہ پر قائم رہے، یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ نے وفات پائی. حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو وہ شام چلے گئے اور وہیں وفات پائی." (۱۲)

اس آیت مجیدہ کا تفسیری خلاصہ :.

۱. امام رازی

(أنّه تعالی ما بنیٰ امر الا سلام علی الاجبار والقسر وانّما بناه علی التمکین والا ختیار وهو قول ابی مسلم والقفال) (۱۳)

"خدا نے اسلام قبول کرنے کے معاملے میں زبردستی اور جبر کو روا نہیں رکھا، بلکہ انسان کے ارادہ واختیار ہی پر چھوڑ دیا. ابو مسلمؒ اور قفالؒ کی یہ رائے ہے."

۲. علامہ ابن کثیر :.

(لاتکرھوا احدا علی الدخول فی الاسلام، فانّہ بین واضح لا یحتاج الی ان یکرہ احد علی الدخول فیہ) (۱۴)

"کسی کو بھی جبراً مسلمان نہ بناؤ کہ اس کے (معجزات) روشن اور دلائل واضح ہیں لہذا کسی کو جبراً مسلمان بنانے کی قطعاً ضرورت نہیں."

۳. علامہ جار اللہ زمخشریؒ :

.(لم یجر اللّٰہ امر الایمان علی الاجبار والقسر ولکن علی التمکین والاختیار) (۱۵)

"خدا نے ایمان کے معاملے میں جبر کو اختیار نہیں فرمایابلکہ یہ انسان کے اختیار اور مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔

۴. علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادی.

(لا یتصوّر الاکراہ فی الدین) (۱۶)

"دین اسلام قبول کرانے کے معاملے میں زبردستی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا."

۵. علامہ ابو جعفر طوسیؒ اور علامہ طبرسیؒ

(لا کراہ فیما ھو دین فی الحقیقۃ لان ذلک من افعال القلوب) (۱۷)

"امر واقعہ یہ کہ دینی معاملات میں زبردستی ممکن ہی نہیں، کیونکہ دین وایمان کا تعلق قلبی احساسات سے ہے."٦

٦. علامہ محمد حسین طباطبائی :

. (والاعتقاد والایمان من الامور القلبیہ الّتی لایحکم فیھا الاکراہ والاجبار، فان الاکراہ انما یؤثر فی الاعمال الظاھرۃ والافعال والحرکات البدنیۃ المادیۃ) (۱۸)

(لااکراہ کا ارشاد ربانی دین کے معاملہ میں ہر زبردستی کی نفی کے لئیے نازل ہوا کیونکہ عقیدہ اور ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور دل پر جبر واکراہ کی حکمرانی نہیں، جبر واکراہ کا تعلق تو صرف ظاہری اعمال اور جسم کے محسوس افعال وغیرہ سے ہوتا ہے."

۷. علامہ المراغیؒ :.

(لا اکراہ فی الدخول فیہ لان الایمان اذعان و خضوع ولا یکون ذلک بالالزام والاکراہ... کفی بھذہ الآیۃ حجۃ علی من زعم من اعداء الدّین بل من اولیائہ ان الاسلام ما قام الا والسیف ناصرہ) (۱۹)

"در حقیقت ایمان کے قبول پر جبر ممکن ہی نہیں، کیونکہ ایمان قلبی یقین اور عاجزی کا نام ہے، دل کے معاملے (ایمان وعقیدہ) بھلا جبر اور زبردستی سے کیونکر طے پا سکتے ہیں؟ دشمنان اسلام بلکہ جن حامیان اسلام کو یہ وہم ہے کہ 'اسلام تو تلوار سے پھیلا ہے، انکے جواب میں بس یہی ایک آیت کافی ہے۔"

۸. علامہ محمد جواد مغنیہ :.

(ان الاسلام لا یلزم احد باعتنا قه فسرا واجبارا وانما یلزم الجاحد بالحجة والبرهان فقط... ان قوله تعالی (لااکراہ فی الدین) جاء بصیغة الاخبار حیث یکون المعنی ان الدین هو الاعتقاد، وهوا امریر جع الی الاقتناع الذی لا اکراہ علیه وان کان المراد به الانشاء والنهی عن الاکراہ فی الدین یکون المعنی ایها المسلمون لا تکر هوا احد علی قول: لا اله الا اللّٰه محمد رسول للّٰه بعد ان قامت الدلائل والبینات علی التوحید والنبوة)(۲۰)

"بے شک اسلام کسی کو جبراً مسلمان نہیں بناتا. بلکہ منکر اسلام کو بھی صرف دلیل ہی سے قائل کرتا ہے. اگر یہ آیت بطور "خبر" نازل ہوئی تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ :. "دین عقیدہ ہے اور عقیدہ کا تعلق اطمینان قلب سے ہے، جہاں زبردستی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں. "اور اگر یہ آیت دین کے معاملے میں زبردستی کرنے سے "نھی" کیلئے اتری ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ :"اے اہل اسلام توحید ورسالت پر دلائل اور معجزات ظاہر ہو چکنے کے بعد کسی کو جبراً کلمہ گو (مسلمان) نہ بناؤ"۹

۹. سید قطبؒ شہید.

(انالعقیدة کما جاء بها هذا الدین... قضیة اقتناع ولیست قضیة اکراہ وغصب واجبار... فلما جاء الا سلام عقب ذلك یعلن... فی اوّل مایعلن... هذا المبدء العظیم الکبیر...وفی هذا المبدآیتجلّی تکریم اللّٰه للانسان واحترام ا رادته وفکره ومشاعره... وهذه هی اخص خصائص التحرر الا نسانی التحررالذی تنکره علی الانسان فی القرن العشرین مذاهب---- لا تسمح لهذا الکائن الذی کرمه اللّٰه باختیاره لعقیدتة. ان ینطوی ضمیره علی نصورللحیاة ونظمها غیر ما تملیه الدولة... ان حریة الا عتقاد هی اول حقوق " الانسان" التی یثبت له بهاوصف" انسان" فالذی یسلب انسانا حریة الاعتقاد انما یسلبه انسانیته ابتداء ومع حریة

الاعتقاد حرية الدعوة للعقيدة والامن من الاذى والفتنة والا فهى حرية لا مدلول لها فى واقع الحياة) (٢١)

اسلام کی حقیقی روح کے مطابق عقیدہ کامسئلہ سرے سے جبر واکراہ اور زبردستی کا مسئلہ ہے ہی نہیں، بلکہ یہ صرف اطمینان قلب کا معاملہ ہے۔ (جبراً عیسائی بنانے کی خاطر ڈھائے گئے مظالم کے بعد) ظہور اسلام پر سب سے پہلے اسی عظیم اصول (عقیدہ کی آزادی) کا اعلان کیا گیا، جس کے ذریعہ خود خدا اپنے بندے (اسکی مرضی اور اسکے افکار واحساسات) کا نمایاں طور پر احترام فرمارہا ہے۔ انسانی آزادی کے حوالہ سے عقیدہ کی آزادی ایسی غیر معمولی امتیازی خصوصیت ہے کہ بیسویں صدی میں بھی انتہا پسند مکاتب فکر اور جابر حکومتیں اس خصوصیت (حق) کو برداشت نہیں کرپائیں اور "انسان" کو اس کے ضمیر کی آواز کے مطابق اس کی پسند کا نظام حیات اختیار کرنے نہیں دیتیں، حالانکہ خدا نے ہر انسان کو اس کی مرضی کا عقیدہ اپنانے کا حق عطا کر رکھا ہے، مگر اسکے برعکس حکومتیں اس پر اپنے وضع کردہ نظام مسلط کر رہی ہیں۔ "عقیدہ کی آزادی" انسان کا ایسا بنیادی اور اولین حق ہے جس کے ذریعہ ہی اس کا "انسان" ہونا ثابت ہوتا ہے۔ انسان سے اس کے عقیدہ کی حریت سلب کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے اسکی انسانیت کی نفی کردی گئی ہے۔ عقیدہ کی آزادی کا (دعوی) اس وقت تک قطعاً بے معنی ہے جب تک صاحب عقیدہ کو اس کے افکار کے پرچار کی آزادی اور جان ومال کا تحفظ حاصل نہ ہو ورنہ یہ صرف نام کی آزادی ہوگی، جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہ ہوگا۔"

کیا یہ آیت مجیدہ منسوخ ہے؟: بعض علماء کے نزدیک بقول سلیمانؒ بن موسی ابن زیدؒ اور ابن مسعودؓ یہ آیت ایک دوسری آیت

(يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ:٩:٧٣التحريم: ٦٦:٩)

"اے نبی ﷺ کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سخت بن جاؤ" کے ذریعہ منسوخ ہے۔ (٢٢) لیکن امام طبریؒ امام رازیؒ، علامہ سیوطیؒ، علامہ قرطبیؒ اور علامہ آلوسیؒ کے نزدیک بقول الشعبی، حسن بصریؒ قتادة اور الضحاکؒ یہ منسوخ نہیں، اور اس کا مصداق یہود اور انصار اور مجوس اور تمام غیر مسلم ہیں جن سے جزیہ وصول کیا جاسکتا ہے۔ (٢٣) ابو مسلمؒ القفالؒ، علامہ ابو جعفر طوسیؒ، علامہ طبرسیؒ، علامہ المراغیؒ، علامہ طباطبائیؒ، علامہ محمد جواد مغنیہ اور سید قطب شہید کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ نہیں ہے، اور اس کا مصداق تمام کفار ہیں۔ بظاہر امام رازیؒ کی بھی یہی رائے ہے جو ان کے اس استدلال سے صاف عیاں ہوتی ہے

."إذفى القهر والا كراه على الدين بطلان معنى الابتلاء والامتحان)(٢٤)

"دین کے معاملے میں جبر جائز قرار دینے کے سبب (عالم میں نوع انسانی) کی آزمائش وابتلاء کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔

(وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُم فَمَنْ شَاء فَلْيُومِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ: الكهف: ۱۸: ۲۹)"اور کہہ دو (نبی) ﷺ یہی حق ہے تمہارے پروردگار کی جانب سے تو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔"

امام طبری اس آیت مجیدہ کی تفسیر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

(يقول تعالى: وقل يا محمد ...ليس الّي من ذلك شي ولست بطارد لهواكم من كان للحق متبعا، وبالله وبماانزل على مومناً فان شئتم فآمنو ا وان شئتم فا كفرو (الخ) (۲۵)

"خداوند کریم فرماتا ہے اے نبی ﷺ کہہ دیجئے (کوئی مومن بنے یا کافر) اس امر سے میرا (نبی ﷺ کا) کوئی سروکار نہیں اور اگر تم میں سے کوئی حق کا پیروکار بننا چاہے اور خدا اور جو کچھ مجھ (نبی ﷺ پر نازل کیا گیا اس پر ایمان لانا چاہے تو میں (نبی ﷺ) تمہاری اس خواہش کو نہیں ٹھکراوں گا۔ پس اگر تمہارا جی چاہے تو مومن بن جاؤ اور جی چاہے تو کافر..."

اس بارے میں امام طبریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس کی زبانی امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خدا نے اس آیت میں مطلقاً ایمان یا کفر اختیار کرنے میں کھلی چھٹی نہیں دی بلکہ یہ ایک اعتبار سے تنبیہ و تہدید ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی کا ایک قول یہ ہے:

(قُلْ لِهو لاءِ انّ هذا الدين الحق إنّما أتىٰ مِنْ عِنْد اللّه فان قبلتموه عادالنّفع إليكم وان لم تقبلوه عاد الضّرُر اليكُم) (٢٦)

"کہہ دیجئے (اے نبی ﷺ) ان کفار سے یہ دین حق تو خدا ہی کی جانب سے آیا ہے اگر اسے قبول کرلو گے تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے ورنہ بصورت انکار نقصان بھی تمہارا ہے۔" امام فخر الدین رازی مزید تحریر فرماتے ہیں:

(اَلْمُراد هو ان الحق الذي جاء من عند اللّه فمن شاء فليومن ومن شاء فليكفروان اللّه‌تعالى لم يأذن في طرد من آمن وعمل صالحالاجل ان يدخل فى الايمان جمع من الكفار)(٢٧)

"اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حق وہی ہے جو خدا کی جانب سے آیا ہے، تو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ اور کفار کے گروہ (اغنیاء) کی زبان سے ایمان قبول کرنے کی خاطر خدا نے (اپنے رسول ﷺ) کو اپنی بارگاہ سے غریب نیک مومنین کو نکالنے کی اجازت نہیں دی۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر اور علامہ قرطبیؒ نے کوئی خاص علمی نکتہ بیان نہیں فرمایا(۲۸) البتہ اس ضمن میں علامہ آلوسی نے معتزلہ کی رائے نقل کرنے کا درج ذیل اضافہ فرمایا ہے :.

(ان العبد مستقل في افعاله موجد لها لانه علق فيها تحقق الايمان والكفر على محض مشئيته، لان المتبادر من الشرط انه علة تامة للجزاء فدل على انه مستقل في ايجادهما ولا فرق بين فعل وفعل فهو الموجد لكل افعاله)(۲۹)

انسان اپنے افعال میں خود مختار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال کا خالق بھی خود ہے. اس آیت (فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر) کی رو سے ایمان یا کفر کا متحقق ہونا (اختیار کرنا) انسان ہی کے ارادہ محض پر موقوف و منحصر کیا گیا ہے، کیونکہ اس آیت میں موجود شرط (انسانی ارادہ) اس آیت میں مذکور جزا (ایمان یا کفر میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا) کیلئے علت بن رہی ہے، جو اس امر کی دلیل ہے کہ انسان ایمان یا کفر کا خالق ہونے (کسی ایک کو اختیار کرنے) میں آزاد اور خود مختار ہے اور اس اعتبار سے انسان کے ایک فعل یا دوسرے فعل (اچھے یا برے کام) میں چنداں فرق نہیں، پس ثابت ہوا انسان اپنے تمام افعال کا خالق خود ہی ہے."

☆ ☆ ☆

وَاعتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلاَ تَفَرَّقُوْا

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو

(آل عمران۔ ۱۰۳)

حواشی

(۱) لسان العرب مادہ "سلم": ۱۲/ ۲۹۳

(۲) ایضاً "سلم": ۱۲/ ۲۹۵

(۳) جامع البیان عن تاویل آي القرآن: مجلد: ۸ جزء: ۱۴/ ۱۹۴

(۴) التفسیر الکبیر: ۲۰/ ۱۳۹، مزید تفصیل کیلئے الکشاف: ۲/ ۴۳۵

(۵) التبیان في تفسیر القرآن: ۶/ ۴۴۰، مجمع البیان: ۶/ ۶۰۵، مزید تفصیل کیلئے التفسیر الکاشف: ۴/ ۵۶۴۔۵۶۵

(۶) معارف القرآن: ۵/ ۴۰۶۔۴۲۱، مزید تفصیل کیلئے تدبر قرآن: ۴/ ۴۶۲۔۴۶۵

(۷) جامع البیان: مجلد: ۳ جزء: ۳/ ۱۴، تفسیر القرآن العظیم: ۱/ ۴۶۵، الدر المنثور: ۳/ ۲۰، الجامع الاحکام القرآن مجلد: ۲ جزء: ۳/ ۲۸۰، مجمع البیان: ۱/ ۶۳۱

(۸) جامع البیان: مجلد: ۳ جزء: ۳/ ۱۵، تفسیر القرآن العظیم: ۱/ ۴۶۵، الدر المنثور: ۳/ ۲۱، مجمع البیان: ۱/ ۶۳۰، الجامع الاحکام القرآن مجلد: ۲ جزء: ۳/ ۲۸۰، روح المعانی: ۳/ ۱۳، تفسیر المرغي: مجلد: ۱ جزاء: ۳/ ۱۶، تفسیر نمونہ: ۲/ ۱۶۰

(۹) جامع البیان: مجلد: ۳ جزء: ۳/ ۱۵، ۱۶ الدر المنثور: ۳/ ۲۰

(۱۰) الدر المنثور: ۳/ ۲۲، الجامع لاحکام القرآن: مجلد: ۲ جزء: ۳/ ۲۸۰، معارف القرآن: ۱/ ۶۱۷

(۱۱) تفسیر القرآن العظیم: ۱/ ۴۶۵، الدر المنثور: ۳/ ۲۲، بنیادی حقوق ۲۷۹۔۲۸۰ بحوالہ کتاب الاموال ابو عبید: ۱/ ۱۵۴، اسوہ صحابہؓ: ۲/ ۹۰ بحوالہ کنز العمال: ۵/ ۴۹

(۱۲) بنیادی حقوق: ۲۷۱، ۲۸۰ اسلامی ریاست: امین احسن اصلاحی: ۲۹، ۳۱

(۱۳) التفسیر الکبیر: ۷/ ۱۵

(۱۴) تفسیر القرآن العظیم :۱/ ۴۶۴

(۱۵) الکشاف :۱/ ۳۸۷

(۱۶) روح المعاني :۳/ ۱۲

(۱۷) التبیان :۲/ ۳۱۱، مجمع البیان :۱/ ۶۳۱

(۱۸) المیزان :۲/ ۳۶۲

(۱۹) تفسیر المراغي : مجلد :۱جزء :۳/ ۱۶

(۲۰) التفسیر الکاشف :۱/ ۳۹۶_۳۹۷

(۲۱) فی ظلال القرآن : مجلد :۱جزء :۳/ ۴۲۵_۴۲۶

(۲۲) جامع البیان : مجلد :۳جزء :۳/ ۱۶، روح المعاني :۳/ ۱۳، الجامع الاحکام القرآن :۳/ ۲۸۰، تفسیر القرآن العظیم :۱/ ۴۶۵، الدر المنثور :۳/ ۲۱

(۲۳) جامع البیان : مجلد :۳ :جزء :۳/ ۱۷، التفسیر الکبیر :۷/ ۱۵_۱۶، الدر المنثور :۳/ ۲۱_۲۲، الجامع لاحکام القرآن : مجلد :۲جزء :۳/ ۲۸۰ روح المعاني :۳/ ۱۳

(۲۴) التفسیر الکبیر :۷/ ۱۵_۱۶، التبیان :۲/ ۳۱۱، مجمع البیان :۱/ ۶۳۱، تفسیر المراغي : مجلد :۱جزء :۳/ ۱۶_۱۷، المیزان :۲/ ۳۶۰_۳۶۲، التفسیر الکاشف :۱/ ۳۹۶_۳۹۷، في ظلال القرآن : مجلد :۱جزء :۳/ ۴۲۵_۴۲۶، التفسیر الکبیر :۷/ ۱۵

(۲۵) جامع البیان : مجلد :۹جزء :۱۵/ ۲۳

(۲۶) التفسیر الکبیر :۲۱/ ۱۱۸

(۲۷) ایضاً :۲۱/ ۱۱۹

(۲۸) تفسیر القرآن العظیم :۳/ ۱۳۳، الجامع لاحکام القرآن : مجلد :۵جزء :۱۰/ ۳۹۳

(۲۹) روح المعاني :۱۵/ ۲۶۶